بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ملک کو آج جو بحرانی صورتِ حالات درپیش ہے وہ بڑے باصلاحیت لیڈروں کی گرہ کشائی کی منت کش ہے۔ مگر اپنے دور کے سیاسی اور دینی لیڈروں میں سے ہر ایک کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں بڑے دکھی دل کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آج ہمارے اندر جو دس بیس شخصیتیں سیاست کے میدان میں متحرک دکھائی دیتی ہیں، ان میں دو بھی ایسی نہیں ہیں جن میں ٹھنڈے دل و دماغ سے تدبر کرنے کی اعلیٰ صلاحیت موجود ہو، جو بااُصول ہوں، جن کا مضبوط کردار ہو، جو چھوٹے چھوٹے اختلافات اور کشیدگیوں کے شکار نہ ہو جاتے ہوں اور اپنے اقتدار اور اپنے مفاد سے بے نیاز ہو کر حکومت، قوم اور سیاسی لیڈروں کو صحیح اور مفید مشورے دے سکیں۔

پھر ان میں یہ صلاحیت بھی کم ہے کہ دوسروں کے ساتھ میل جول رکھیں، اُن کے ساتھ اتحاد کے رشتے قائم کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ ہم مقصد قوتوں کو جمع کر سکیں اور متحدہ قوت سے حالات پر اثر انداز ہوں۔ مخالف دین و اخلاق قوتیں اُن کے سامنے مجتمع ہوئیں، اور ان میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب تیاری اُن ہی کی جڑوں کو کاٹنے کے لیے ہے، مگر ان میں ربط و ائتلاف پیدا نہ ہو سکا۔ جس قوم کے لیڈر خطرناک بحرانی حالات میں بھی دین اور قوم اور آزادیٔ وطن کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہو سکیں، اس کی بدنصیبی کا اندازہ کر لیجیے۔

اس قسم کے حالات و مراحل جب سامنے آتے ہیں تو اس سوال کی اہمیت رہتی ہی

نہیں کہ کون کیا عہدے حاصل کرتا ہے اور کیسے کتنی سیٹیں ایوانِ اقتدار میں ملتی ہیں اور کس کے لیے مفاد کے کون سے میدان کھلتے ہیں۔ ایسے حالات میں لادین قوموں کی سیاسی قیادتیں بھی اقتدار اور مفاد کی کشمکش چھوڑ کر تحفظِ قوم و وطن یا حصولِ امن و سلامتی کے لیے کوشاں ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی حد بندیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور قومی حکومتیں قائم ہو جاتی ہیں۔

مگر وائے بر حالِ ما، کہ ہم باہر سے روس، کارمل حکومت، بھارت اور اسرائیل کی نہایت بیّن اور واضح اور اعلان کردہ (DECLARED) ریشہ دوانیوں اور اندر سے منفیانہ مزاج کی تخریبی قوتوں کا نشانہ بن کر بھی اپنی نازک ذمہ داریوں کا احساس نہیں رکھتے۔ ہماری قومی زندگی میں اعلیٰ مدبّر قیادت کا یہ خلا بڑا خوفناک ہے۔

ملک کے ایک گوشے میں اس وقت جو شورش برپا ہے، اس کے دو فریق ہیں۔ ایک طرف مارشل لاء حکومت ہے اور دوسری طرف ایم آر ڈی۔

ہم ہر دو فریق سے کچھ گذارشات کرنا چاہتے ہیں۔

ایم آر ڈی سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ کی تحریک کا مقصد بحالیٔ جمہوریت ہے۔ اس دعوے پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں:۔

اے جمہوریت کے لیے رواداری رُوح کی حیثیت رکھتی ہے اور جمہوریت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ تعصبات اور تصادموں کے بجائے بات چیت، تبادلۂ خیال اور زورِ استدلال سے فریقِ مخالف کو متاثر کیا جائے۔ اور اگر فریقِ مخالف معقول استدلال سے بے نیاز ہو کر غلط رُخ پر چلے تو پھر عوام صحیح استدلال سے متاثر ہو کر حکومت کو تبدیل کرنے کی جمہوری تدابیر میں فریقِ مخالف کا ساتھ دیں۔

آپ کی تحریک نے جب جمہوریت کی اس "روح" کو اوّل قدم پر ہی ختم کر دیا تو پھر آپ سے کون یہ اُمید باندھے کہ آپ جمہوریت قائم کرنے والے ہیں۔

۲ — سرکاری دفاتر، اداروں اور گاڑیوں اور عمارتوں، نیز بنکوں اور نجی املاک کو تباہ کرنے کے طور طریقے قطعاً غیر جمہوری ہیں۔ یہ راستہ ملحدانہ اور غیر اخلاقی قسم کے اشتراکی انقلاب کا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس تباہ کاری کا ہدف خود پاکستان ہے۔ ایک غریب ملک جو قرض لے لے کر اور ٹیکس لگا لگا کر مشکل اپنی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ اس کی جائیدادوں کو غارت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے ۸ کروڑ باشندوں کے بدنوں پر زخم لگائے ہیں۔ آپ نے جس دولت کو تباہی کی آگ میں جھونکا ہے اس میں بچے بچے کا حصہ شامل ہے۔

اس طرز عمل کے معنی یہ ہیں کہ آپ انتقامی سیاست کے جنون میں مبتلا ہیں اور ملک و قوم تک کو نقصان پہنچانے میں آپ کو باک نہیں ہے۔

۳ — دریافت طلب یہ امر بھی ہے کہ جب سارے ملک پر آپ کی پیپلز پارٹی (جو ایم آر ڈی کی روح رواں ہے) کا سکہ رواں تھا تو آپ نے کس شان کی جمہوریت یہاں قائم کی تھی۔ کیا یہ ملک ایسے اندھوں کا ملک ہے کہ ایک بار پھر "پیپلی جمہوریت" کے جہنم میں گرنے کے لیے تیار ہو جائے گا اور آپ کا ساتھ دے گا۔

۴ — یہ بھی فرمائیے کہ خود آپ نے اپنی پارٹیوں کے اندر کب کب انتخابات کراتے ہیں اور آپ کے اپنے گھروں میں جمہوریت کس عروج پر ہے؟

۵ — آپ کی طرف سے گڑبڑ شروع ہوتے ہی بھارت کو تشویش لاحق ہو گئی اور روس اور افغانستان میں بھی بے چینی محسوس کی گئی۔ کیا آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ روس اور بھارت کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے؟ وسط ایشیا کے مسلمانوں (اور اب افغانی مسلمانوں) پر کیا گذری اور ادھر بھارت میں مسلم کش فسادات کا سلسلہ ۱۹۴۷ء سے اب تک اس رفتار سے جاری ہے کہ ایک ایک سال میں ساٹھ ساٹھ بار (اور کبھی کئی کئی سو بار) یہ طوفان اٹھتا ہے، مگر بھارت کی جمہوری حکومت کے پاس کوئی علاج نہیں۔ پھر یہ بھارت وہی بھارت ہے جس نے بنگلہ دیش میں لمبی سازشوں کے بعد وہ حالات پیدا کیے کہ فوجی مداخلت کی اور جب ہمارا ایک حصہ الگ کرا لیا تو فرمایا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک ہزار سالہ دور کا

بدلہ لے لیا ہے۔ کیا آپ کو اندازہ نہیں کہ ابھی پاکستان کے مسلمانوں سے مزید بدلہ لینا مطلوب ہے۔ پھر کیا آپ کی جمہوریت پسندی یہی ہے کہ بیرونی دشمن قوتوں کے آلہ کار بن جائیں؟ کیا جمہوریت کے نام پر تخریب کاری کا طوفان اُٹھانے سے مطلوب یہی ہے کہ اگر حکومت روک تھام کے لیے قانون کی قوت سے کام لے تو دشمن کے لیے پاکستان کے قلعے کے دروازے کھول دیے جائیں کہ آؤ اور ہمیں لونڈی غلام بنا لو کیونکہ ہمارے حکمران ہمیں ہماری مرضی کے مطابق جمہوریت نہیں دے رہے۔

۶ — سیاسی تحریکیں چلانا اور جمہوریت کا مطالبہ لے کے اُٹھنا سیاسی کارکنوں کے کرنے کے کام ہوتے ہیں جو صاف ستھرا کردار رکھتے ہیں۔ لیکن ایم آر ڈی کی تحریک کے تحت جن لوگوں نے تباہ کاری کی مہم چلائی ہے، ذرا اس تحریک کے لیڈر اپنے آدمیوں کی فہرست تو بنا کر پیش کریں کہ وہ کون سے سیاسی کارکن ہیں جنہوں نے ملک کی مفید اور قابلِ قدر تحریکات میں حصہ لیا ہو، اصلاحِ معاشرہ کا کوئی کام کیا ہو یا عوام میں سچی جمہوریت کی تعلیم و تلقین کی کوئی مہم چلائی ہو۔ بخلاف اس کے اگر ایسے جرائم پیشہ اور غنڈہ عناصر تحریک چلاتے رہے ہوں جن کا ماضی قریب تک میں کوئی سیاسی کیریئر نہ ہو تو پھر کس منہ سے آپ اپنی تحریک کو بحالیٔ جمہوریت کی تحریک کہہ سکتے ہیں۔

یہ عذر ناقابلِ فہم ہے کہ مخالفینِ تحریک نے غنڈہ عناصر کو میدان میں اُتار کر یہ چاہا کہ تحریک کو غلط رُخ پر لے جایا جائے اور اس کی قیادت اور شریک جماعتوں کو بدنام کیا جائے — وہ قیادت ہی کیا اور ان پارٹیوں کی سیاسی حیثیت ہی کیا جو تحریک چلانے سے پہلے ماحول تیار نہ کر لیں اور اپنی صفوں کو غلط عناصر سے پاک اور غلط کار لوگوں سے ممیز رکھنے کی تدابیر عمل میں نہ لا سکیں۔

۷ — ایسی عجیب صورتِ حال کی وضاحت بھی آپ ہی لوگ کر سکتے ہیں کہ اس وقت جب کہ حکمران طاقت نے بحالیٔ جمہوریت کے لیے ایک منصوبہ یا خاکہ ملک کے سامنے رکھ دیا ہے اور یہ کہ یہ کوئی صحیفۂ آسمانی نہیں ہے، اہلِ سیاست و فراست سے یہ چاہا ہے کہ وہ اپنی تجاویز یا ترامیم لائیں اور مل جُل کر اسے تکمیلی شکل دی جائے۔ آپ لوگوں نے

ادھر توجہ کرنے کے بجائے آخر ہنگامہ آرائی کس لیے شروع کر رکھی ہے؟ کیا مقصد یہ ہے کہ اب خدا خدا کر کے بحالیٔ جمہوریت کا جو امکان پیدا ہوا ہے آپ لوگ اُسے بھی غارت کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ایک اور مارشل لا مسلط ہو جائے گا۔ یعنی آپ اس قوم کو مارشل لا سے نکالنے کے بجائے ایک نئے مارشل لا کی تحویل میں دینا چاہتے ہیں تاکہ آپ نئی قوت سے گٹھ جوڑ کر کے اس قوم پر پہلے کی طرح سواری کر سکیں۔

۸۔ جمہوریت کا مطالبہ کرنے والے ایک متحدہ محاذ کی حیثیت سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ایم آر ڈی میں کون سے عناصر جمع ہیں۔ اور آیا اُن میں کوئی مثبت ہم آہنگی موجود ہے۔

ایم آر ڈی میں پیپلز پارٹی کے لوگ شامل ہیں اور پیش روی کر رہے ہیں۔ کمیونسٹ شامل ہیں۔ علیحدگی پسند شامل ہیں۔ روس کے ہمنوا شامل ہیں اور بھارت کے متاثرین شامل ہیں۔ یہ قوتیں پاکستان کو نقصان پہنچا کر موجودہ حکومت پر دباؤ ڈال کر اسے ختم کرنا چاہتی ہیں۔ اس سے سروکار نہیں کہ آگے کیا ہوگا۔ پھر ان قوتوں کے غالب آنے کی صورت میں بدیہی طور پر جہاں ایک طرف یہ اندیشہ ہے کہ یہ ملکی نظام سے اسلامی رنگ کو غائب کر دیں گی، وہاں یہ خطرہ بھی ہے کہ یہ خارجہ پالیسی ڈپلومیٹک تعلقات اور معاہدات کے ذریعے روس اور بھارت کو پاکستان پر تسلط پانے کا راستہ بنا کے دیں گی۔

ایم آر ڈی کے لیڈروں میں ولی خاں سے لے کر نورانی میاں تک کوئی ایسا لیڈر نہیں ہے جس کی آواز پاکستان بھر میں سُنی جائے اور ملک بھر کے مختلف دائروں میں ان کو احترام حاصل ہو۔

یہ حالات کسی گروہ کو جمہوریت کی طرف نہیں، ہمیشہ فسطائیت کی راہ پر لے جاتے ہیں۔

آخر میں ہم نزاع کے اس فریق سے یہ کہتے ہیں کہ فضول تخریب کاری اور ہنگامہ آرائی کو چھوڑ کر بحالیٔ جمہوریت اور انعقادِ انتخابات کے لیے صدر کی طرف سے پیش کردہ ڈھانچے پر فرداً فرداً اور مختصر مجالس میں غور کریں اور اپنی تجاویز و ترامیم سامنے لا کر یہ دیکھیں کہ عوام میں ان کو کتنی مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور پھر صدر سے براہ راست بات کریں،

نیز چاہیں تو اخبارات میں اپنا نقطۂ نظر پیش کریں۔

اب ہم دوسرے فریق یعنی حکمران قوت کو بھی اپنی معروضات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۹۷۷ء میں جب عوام کو حکومت کی قتلِ عام پالیسی سے بچانے کے لیے مارشل لا میدان میں آیا تھا تو اس کے لیے صحیح طرزِ عمل یہی تھا کہ وہ انتخابات کرا کے اور پالیمانی ایوان کا اجلاس منعقد کرا کے بہ صد عزت و آبرو رخصت ہو جاتا۔ ابتداً مارشل لا اتھارٹی کے سامنے یہی مقصد تھا اور اس کے لیے ۹۰ دن کی میعاد مقرر کی گئی تھی، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس سے حکومت کے وقار کو ایک دھچکا لگا۔ اس موقع پر (۷ ستمبر ۱۹۷۷ء) اسلامی جمعیت طلبہ کی افطار پارٹی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا:

"انتخابات منعقد کرانے کے لیے ہی فوجی انقلاب برپا ہوا ہے۔ فوج اس لیے آئی ہے کہ منصفانہ انتخابات کرائے اور اسی بنا پر اس کے آنے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر پارٹیوں نے جو ملک کی بھلائی چاہتی ہیں اُن کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا ہے۔ اب اگر انتخابات نہیں ہوتے تو بس یہ اصولی بات سمجھ لیجیے کہ غلط کام کا نتیجہ غلط ہی نکلتا ہے، غلط کام کبھی صحیح نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔"

(تصریحات ص ۲۷۶)

اگر مارشل لا اس اعلان کو سچ کر دکھاتا تو شاید دنیا بھر کی سیاسی تاریخ میں یہ مارشل لا اپنی مثال آپ ہوتا۔

تاہم مارشل لا کی عمر میں اضافے کو عوام نے دو مقاصد کے لیے گوارا کر لیا بلکہ بہت سے لوگوں نے اسے پسند بھی کیا۔ وہ دو مقاصد جن کا اعلان حکومت نے کیا، حسب ذیل تھے:-

ایک : غلط کار عناصر کا احتساب

دوسرے : نفاذِ اسلام (یا اسلامائیزیشن)

۲ — مارشل لا حکومت ان دو مقاصد کے سلسلے میں ایسی پیچیدگیوں میں پڑی کہ نہ مطلوب صحیح طرح حاصل ہو سکا اور نہ عوام پر اچھے اثرات برقرار رہ سکے۔ لوگوں نے بہت اچھی اُمیدیں مارشل لا سے وابستہ کیں۔ مگر آہستہ آہستہ اوس پڑ گئی۔

۳ — جہاں تک پہلے مقصد کا تعلق ہے، شروع میں بڑے زور شور سے قرطاس ابیض کی اشاعت ہوئی اور جمہور کو یہ توقع ہوئی کہ ظلم و خیانت سے کام لینے والوں کے ساتھ وفاقی، صوبائی، ضلعی اور مقامی سطح سے نمٹا جائے گا اور آئندہ کے لیے اس طرح کی چیرہ دستیاں کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوگی۔

مگر قرطاس ابیض کے بعد کوئی خاص کارروائی نہ ہوئی۔ بڑے سے بڑے غلط کار اور مخالفینِ جمہوریت و اسلام اور اوّل درجے کے خیانت کار اور ظلم کیش حکومت کے عہدوں پر بیٹھے رہے اور جو باہر تھے وہ مفاد بھی سمیٹتے رہے، لیڈری بھی کرتے رہے۔ چھاپہ ماروں سے تخریبی کارروائیاں بھی کراتے رہے۔ حتیٰ کہ چوہدری ظہور الٰہی جیسے آدمی کو قتل کرا دیا۔ پھر بھی لوگ کابل، ماسکو، لندن، لیبیا اور دہلی میں اپنی قائم کردہ چوکیوں کے تنظیم کار بن کر اپنے سرکردہ افراد کو ساز باز کے لیے باہر بھجواتے رہے[1]۔

(باقی بر صفحہ ۶۴)

[1] اگر مارشل لا حکومت محض سیاسی لحاظ سے خطرناک افراد پر اپنی گرفت رکھتی یا کم از کم نگاہ ہی رکھتی۔ سندھ میں تقسیم ہونے والے بھارتی لٹریچر کا پچھلے چند سالوں میں سدباب کر لیتی، سالمیتِ پاکستان کے خلاف خود سندھ میں جو پبلشنگ ہاؤس کام کرتے رہے اور جو مطبوعات پھیلتی رہی ہیں اُن کے سیلاب کو روک لیتی، تعلیمی اداروں اور سرکاری دفاتر میں کام کرنے والی علاقہ پرست اور علیحدگی پسند تنظیموں پر قابو پا سکتی تو آج کی تحریک نمودار ہو ہی نہ سکتی۔ یہ کام پچھلے چار پانچ برس میں تدریجاً آہستہ آہستہ خاموشی سے کرنے کا تھا۔ اب طوفان اُمڈ پڑنے پر اس کی روک تھام کا کام ایک چیلنج بن گیا ہے۔

!!

(بقیہ اشارات)

اِدھر ملک میں جرائم نے زور پکڑا۔ کراچی کے بھرے بازاروں میں بڑے بڑے ڈاکے پڑے۔ بنک لُوٹے گئے۔ شاہراہوں پر بسوں اور کاروں کو روک کر مسافروں کو لُوٹا جاتا رہا۔ عورتوں کی عصمتوں پر حملے ہوتے، نابالغ بچیاں مجنونانِ ہوس کا شکار ہوگئیں یغمکاروں نے بچوں کے اغوا کی مہم چلائے رکھی۔ چادر اور چاردیواری کا وہ بُرا حشر ہوا کہ اللہ بچائے۔

دفتروں اور سرکاری اداروں میں رشوت کا دور دورہ ہوا ہوا۔ درخواستوں کے فارم تک حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا ضروری ہوگیا۔ پھر فائل کو ایک کلرک کی میز سے دوسرے کلرک کی میز تک پہنچانے کے لیے اسے چاندی کے پہیئے لگانا ضروری ہوگیا۔ ریلوں اور جہازوں کی سیٹیں تک چور بازار کا مال بن گئیں۔

لوگ احساسِ تحفظ سے محروم ہوتے چلے گئے۔

۴ — اب لیجیے نفاذِ اسلام کے مسئلے کو۔

میرا ذاتی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام کو کارفرما قوت بنانے کا مسنون راستہ دعوت و تعلیم اور خدمت و احسان کا راستہ ہے۔ معاند قوتیں بیچ میں جنگ و جدل کا ہنگامہ بپا کر کے اسلام کے معلمانہ انقلاب کا راستہ روکنے کی کوششیں کرسکتی ہیں۔ مگر مسلم قوت جنگوں کے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا دعوتی کام برابر جاری رکھتی ہے اور اس کام میں رخنہ نہیں پڑنے دیتی۔ اس مسنون طریقے کو چھوڑ کر محض مارشل لا کے ڈنڈے کے ذریعے نفاذِ اسلام کا عمل چند متفرق اجزاء کی حد تک بھی ناقص ہی رہے گا۔ کجا کہ جامع اسلامی انقلاب کا ظہور ہوسکے [1]

---

[1] مجھے یاد ہے کہ ۱۵ اے ذیلدار پارک کے سابق مرکز جماعت میں قطعۂ گیاہی کے شمال مشرقی کونے کے پاس کھڑے ایک نوجوان نے مجھ سے یہ کہا کہ اسلام اب نافذ ہوگا، یہ کام مارشل لا ہی کرسکتا ہے، دعوتی اور جمہوری طریقوں سے کچھ نہیں بن سکتا۔ میں نے محسوس کیا کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

۵ ۔ نفاذ اسلام کے لیے جو لازمی شرائط کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کام کے لیے بے لوث اور مخلص افراد کی ایک مضبوط ٹیم درکار ہوتی ہے جو تمام شعبوں میں اصلاح و تغیر کو ہم آہنگ رکھنے، ترجیحات کو طے کرنے اور اقدامات کی تدریج کا خاکہ بنانے کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے کام کرتی ہے ۔ ایسی تربیت یافتہ ٹیم میں پہلے سے مطلوبہ تبدیلی کا جامع تصور ہونا چاہیے اور اس تبدیلی میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کی صلاحیت سے بھی وہ آراستہ ہو۔

یہاں یہ حال رہا کہ حکومت کی بالاترین سطحوں پر بھی اسلامی مقصد کے لیے نہ تو فکری ہم آہنگی تھی، نہ عملی یک رنگی ۔ پھر آگے معاملہ بیوروکریسی کے استادانِ فن سے تھا۔ جو قصرِ صدارت کے احکاموں کو ناقص اور کمزور شکل میں سامنے لاتے، پھر ان کے مدعا میں تحریف کرتے اور رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے ان کے نفاذ و اجرا ہی میں رکاوٹیں ڈال دیتے ۔ پھر یہ لوگ اپنے حلقوں میں اسلامی احکام کا استخفاف کرتے اور حکومت کا مذاق اڑاتے اور یہ حرکت ان دنوں بڑے بڑے عہدے داروں کی مجالس (نجی ہی نہیں، دفتری بھی) تک میں زوروں پر ہے ۔

اُدھر مارشل لا حکومت کی شانِ بے نیازی اس حد تک پہنچی کہ احکام میں رکاوٹیں ڈالنے اور ان کے مقصد کو تباہ کرنے والوں کا کڑا احتساب نہ کیا جا سکا ۔ بلکہ اسلام کے کھلے مخالفین، ملحدین، کمیونسٹوں، علیحدگی پسندوں، قلم کو ذریعۂ خرابی بنانے والوں سب کو مارشل لا حکومت نے اس انداز سے اپنے سائے میں پناہ دے رکھی تھی جیسے مرغی ننھے ننھے چوزوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایسے بے شمار نوجوان جو اسلامی انقلاب کے طویل پروگرام کے مطابق حوصلے نہیں رکھتے وہ اس وقت مارشل لا کی "اسلامائیزیشن اسکیم" سے بڑی اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں ۔ مگر ان کو اندازہ نہیں کہ ان اُمیدوں کا انجام کیا ہوگا ۔ عروجِ اسلام کے لیے جو نظامِ فکر مولانا مودودیؒ نے دیا ۔ یہ اُمیدیں اس کے خلاف پڑتی ہیں ۔ آخر ہمارے تجربے نے یہی گواہی دی کہ مولانا مودودیؒ کی دی ہوئی فکر ہی صحیح تھی ۔

اپنے پروں تلے سمیٹ لیتی ہے۔ اگر مارشل لا نظام حکومت کے کل پرزوں کی تطہیر ہی نہیں کر سکتا تھا تو سرے سے اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

بہ سالار کتنا ہی مخلص اور شریف آدمی ہو، اگر اس کی سپاہ ہی نظریہ و عمل میں اس کے خلاف جا رہی ہو اور وہ اگر روک نہ سکے تو ایسی صورت میں وہ کیا فتوحات حاصل کر سکے گا۔

۶ — ہمیں یہ اعتراف ضرور ہے کہ صدر پاکستان (یا چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر) نے خلوص سے اسلام کو نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر جو چند متفرق اقدامات ہوئے وہ فی نفسہٖ قابلِ قدر مساعی ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا نئی حیثیت سے قیام، اسلامی قوانین کی تدوین کے لیے اس سے بھرپور استفادہ، اقامتِ صلوٰۃ اور تنظیمِ زکوٰۃ و عشر کی کوششیں، حاجیوں کو منظم کرنے کی تدبیریں، غیر سودی معیشت کی طرف تھوڑا بہت اقدام، حفاظِ قرآن اور قاریوں کی قدر افزائی، سیرت کانفرنس کا انعقاد، کتبِ سیرت پر انعام دینے کا سلسلہ، قاضی کورٹس کا قیام اور قاضی کلاسوں کا اجرا وغیرہ کوششیں اپنے ساتھ جو بھی کمزوریاں رکھتی ہوں اور اس سلسلے میں رکاوٹوں اور خلل اندازیوں کی جو بھی صورتیں سامنے آئی ہوں۔ بہرحال ان اقدامات کے عمل میں آنے پر مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کا خیر مقدم کریں اور ان کاموں میں تعاون کریں۔

اسی جذبہ و شعور سے ہم لوگوں نے اسلامی نظام کے طریقِ نفاذ کے بارے میں مختلف نقطۂ نظر رکھنے کے باوجود ان کاموں کی تحسین بھی کی اور ان میں تعاون بھی کیا، مگر ساتھ کے ساتھ ان میں جو کمزور پہلو سامنے آئے اور جو غلط نتائج و اثرات پیدا ہوئے ان کو بھی پوری طرح واضح کیا جاتا رہا۔

بہرحال اسلام کے حق میں کوئی جزوی سا کام بھی خلوص کے ساتھ کسی کے ہاتھوں سے ہو رہا ہو تو ایسے کام مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ایسے اقدام کی کمزوریوں پر توجہ دلائی جا سکتی ہے۔

۷ — نفاذِ اسلام کے چند اقدامات کو دیکھ کر جن کے لیے صدر ضیاء الحق میں واقعی سچا جذبہ

ہوگا۔ ہمارے مولویوں اور مفتیوں نے اسلامی فلسفۂ سیاست کی تعبیر یہ کی کہ اسلام میں جمہوریت ہے ہی نہیں۔ ایک شخص امیر المومنین ہوتا ہے، وہ جن لوگوں کو چاہے مجلسِ شوریٰ کے لیے نامزد کرلے اور پھر اُن کی جس رائے اور مشورے کو چاہے قبول کرے اور جسے چاہے چھوڑ دے۔ مگر یہ کسی نے نہ بتایا کہ امیر المومنین خود کس طریقے سے نمودار ہوگا۔ آیا ہر چند سال بعد اس مقصد کے لیے ایک مارشل لا کی ضرورت ہوگی۔

دلچسپ یہ کہ اس جدید اسلامی فلسفۂ سیاست میں ہر شخص کے تفصیلی تصورات مختلف تھے۔ یعنی کئی کئی مکاتبِ فکر چند دنوں میں نمودار ہوگئے۔ ان حضرات کے فلسفے کا ایک جز یہ بھی تھا کہ اسلامی معاشرے میں پارٹیاں نہیں ہونی چاہئیں، گویا اُن کے نزدیک اسلامی معاشرہ قائم ہو چکا تھا۔

جس کسی نے اس سلسلے کے مقالات و مضامین کو پڑھا ہے اور مواعظ کو سنا ہے وہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے اکابر میں افلاسِ تخیل کس درجے کو پہنچا ہوا ہے۔ ان کی بحثوں کو پڑھ سن کر نہ صرف غیر مسلم بلکہ اپنے ہی کے اصحابِ تدبر بھی اسلام کے سیاسی تصور سے مایوس ہوجائیں گے۔ ہمارے بیسیوں مجتہدین کی نگاہ اس بات پر بھی نہیں کہ پیچھے سے اسلامی سیاسی فکر کا نشو و ارتقاء کہاں تک پہنچا ہے جس کے نتیجے میں جنوری ۱۹۵۱ء میں اوّل درجے کے ۳۱ اربابِ علم و تقویٰ نے جن کا تعلق مختلف مکاتبِ فکر سے تھا، کامل اجماع سے اسلامی ریاست کے لیے ۲۲ اُصول طے کیے تھے۔ اگر اس درجے کے علماء و مشائخ کے فکر و تدبر کے ماحصل کو آپ ملیامیٹ کرتے ہیں تو سوچیے کہ خود آپ کے اجتہادات کتنی عمر پائیں گے اور کتنے وسیع حلقۂ قدر داناں میں مقبول ہوں گے۔[1]

---

[1] بدقسمتی سے ایک تو دینی تعلیم کا نظام ہی ایسا ہے کہ اس میں سوکس، سیاسیات اور سوشیالوجی کی تعلیم نہیں دی جاتی، دوسری مصیبت یہ کہ مساجد میں انگریزی دور سے مواعظ سیاسی شعور کی جھلک تک سے خالی ہیں۔ اور تیسری پیچیدگی یہ کہ تبلیغِ دین کا ایک ایسا نظریہ ایجاد ہوگیا ہے اور پھیل رہا ہے جس کی رُو سے کلمہ، نماز، درود وغیرہ کی دعوت دینے سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسلامی سیاست کے متعلق ان اجتہادی فلسفہ طرازیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارشل لا حکومت نے ایک تو یہ سمجھ لیا کہ مذہبی طبقے ان کی پشت پر ہیں اور دوسرے یہ کہ جمہوریت کا دروازہ بند رکھنے کے لیے فضا سازگار ہے بلکہ بعض حلقوں کو تو یہ غلط فہمی بھی ہوئی کہ شاید حکومت نے خود ہی جمہوریت کے خلاف ذہنوں کو تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔

۸۔ موجودہ حکومت کے لیے بہترین خیر خواہ لوگ وہ تھے، جنہوں نے شروع سے لے کر اب تک، ہر مرحلے میں اور ہر موڑ پر یہی مشورہ دیا اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت سیاسی پارٹیوں کو بحال کیجیے، تحریر و تقریر پر سے پابندیاں ہٹائیے، انتخابات کرائیے، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی تشکیل کیجیے اور جلد سے جلد سیاسی میدان سے رخصت ہو جائیے۔

اس مشورے پر عمل کرنے کا بہترین وقت وہ مقام تھا جب کہ مارشل لا حکومت کو زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔ کسی بھی عارضی یا عبوری حکومت کے لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بہترین دورِ عروج میں باعزت طور پر رخصت ہو جائے۔ لیکن تاریخ میں بالعموم یہی ہوا ہے اور خود ہمارے ملک میں مارشل لا حکومتوں کی لمبی تاریخ میں بار بار یہی تجربہ دوہرایا گیا ہے کہ مارشل لا کو جتنا طول دیا جا سکے دیا جائے، یہاں تک کہ ملک میں تحریک برپا ہو، ہنگامے اُٹھیں، مخالفت اور نفرت کی لہریں سر اُٹھانے لگیں، امن تباہ ہو جائے، قوم کی معیشت برباد ہونے اور حکومت انتہائی کمزوری بلکہ بے بسی کے مقام پر پہنچ جائے تو اس وقت ایوانِ اقتدار کو چھوڑا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں قوم کو بھی بہت نقصان پہنچتا ہے اور خود برطرف ہونے والے حکمرانوں کے لیے بھی مقامِ عزت و وقار باقی نہیں رہتا۔

کسی بھی حکمران کی مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ بیوروکریسی کے جادوگروں کے درمیان گرا ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہٹ کر اسلام کی سیاسی و معاشی حکمت کا کوئی درس نہیں دیا جاتا۔ بلکہ ان موضوعات پر گفت و شنید تک منع ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے مذہب پسند عوام معاملاتِ زندگی جو جیا ہیں کرتے رہیں، ان کا دین انہیں کسی چیز سے نہیں روکتا۔

ہے اور وہ دل کھول کر خوشامد بھی کرتے ہیں۔ (خوشامد کی کئی معصوم اور پراسرار شکلیں بھی ہوتی ہیں)۔ اور یہ یقین بھی دلاتے رہتے ہیں کہ حضور کا اقتدار بڑا مضبوط ہے، بس یہ چند سر پھرے ہیں جو کبھی یہاں اور کبھی وہاں شوشے اڑاتے رہتے ہیں۔ ان سے محافظانِ امن و قانون بخوبی نمٹ لیں گے۔ اب اگر کوئی حکمران ایسا ہو کہ وہ بیوروکریسی کی نگاہوں اور زبانوں پر اندھا اعتماد نہ کرے اور اپنی آنکھوں سے حالات کو دیکھ سکے۔ اپنے کچھ مستند مشیر اور احباب حکومت سے باہر ایسے رکھتا ہو کہ جن کے ذریعے بیوروکریسی کی رپورٹوں کا وزن کر سکے تو وہ وقت کے ہر مرحلے کو پہچانے گا اور کسی لمحۂ بد کے آنے سے پہلے اپنی نجات کا راستہ بنا لے گا۔

مگر ہمارے یہاں کی بیوروکریسی شروع سے اب تک مختلف حکمرانوں کو اپنے گھیرے میں رکھ کر اتنی تجربہ کار ہو گئی ہے کہ اس کی چالوں سے بچ نکلنا کسی نیک دل آدمی کے لیے بڑا مشکل ہے۔

پھر بھی ہمارا مشورہ یہی ہے کہ بہترین مرحلہ مقبولیت تو گذر چکا۔ اب بھی وقت ہے کہ حالات کے بگڑنے سے پہلے صلح سمجھوتے کے ساتھ انتقالِ اقتدار کا جمہوری راستہ بنایا جائے۔ ابھی تھوڑی سی گنجائش ہے کہ اچھے اور تعمیری اور مثبت رجحانات رکھنے والے سیاسی عناصر کا تعاون حاصل کر کے معاملات کو حل کر لیا جائے۔

۹ — ایم آر ڈی کی جو تحریک اٹھی ہے، ہر چند کہ اس کے ساتھ ایسی آلائشیں چپکی ہوئی ہیں کہ اس کی کامیابی مشکل ہے، مگر اتنا ضرور واضح ہے کہ ان کو "بحالیٔ جمہوریت" کا نعرہ مل گیا ہے جو حکومت کی طرف سے بحالیٔ جمہوریت میں تاخیر کی بنا پر کشش رکھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آپ کیوں یہ نعرہ ایک مخالف قوت سے چھین نہیں لیتے۔ آپ رجسٹرڈ جماعتوں کو فوری طور پر بحال کر دیں، ان کے لیڈروں سے افہام و تفہیم کر کے اپنے سیاسی ڈھانچے کو مناسب شکل دیں۔ اور قومی انتخابات اعلان کردہ وقت سے بہت پہلے کرا دیں۔ پس جہاں آپ کی طرف سے اس طرح کے پروگرام کا خاکہ سامنے آیا، یوں سمجھیے کہ نہ صرف ایم آر ڈی کی تحریک ختم ہو گئی بلکہ عوام کے اندر اضطراب کا جو لاوا امڈ رہا ہے وہ اتنا

ٹھنڈا ہو جائے گا کہ کوئی دوسری قوت بھی اُسے گرما گرمی کا ذریعہ نہیں بنا سکے گی۔

۱۰۔ اگر نہیں تو پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ آج تک جو بات آپ نے محبانِ وطن اور وفادارانِ اسلام کی زبانوں سے سن کر نہیں مانی، وہ آپ کو تخریب پسند، انتقام کیش اور بیرونی سازباز رکھنے والی قوتوں کی زبانوں سے سن کر ماننی پڑے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے کہ آپ کس طرف رُخ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

فلسفۂ اجتماعیات و سیاسیات کی رُو سے عوام اُدھر جاتے ہیں جدھر حرکت پائی جاتی ہے۔ اگر صحیح الخیال لوگ ایک جگہ رُکے کھڑے رہیں۔ اور حرکت نہ کر رہے ہوں تو عوام ایسے غلط الخیال لوگوں کی طرف لپکیں گے جو کسی بھی رُخ پر غلط یا صحیح حرکت کر رہے ہوں۔ ایم آر ڈی کی تحریک کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو اور اُن کے لیڈر اور کارکن کیسے ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہوں مگر انہوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔ بھارت اور روس اس آگ کو بھڑکانے کے لیے ہر ممکن تدبیر استعمال کریں گے۔ ایک مذہبی جماعت بھی اپنا رشتہ اُدھر جوڑنے کے لیے بے تاب ہے۔ وطن کے تعلیم یافتہ طبقے سے بھی کچھ نہ کچھ تائید و حمایت ایم آر ڈی کو مل رہی ہے۔ بڑے گھروں کی کچھ خواتین بھی ایجی ٹیشن کے میدان میں نمودار ہو گئی ہیں۔ بظاہر یہ سیلاب تاحال خطرے کے نشان سے بہت نیچے ہے۔ اور ممکن ہے کہ پانی اتر جائے۔ لیکن اگر اس کا توڑ نہ کیا جا سکے تو یہ بڑھ بھی سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اب یہ سعی تو بے فائدہ ہو گی کہ ایک دوسرا ایجی ٹیشن تعمیری رجحان کی جماعتیں شروع کر دیں کیونکہ اب تو جہاں کہیں حکومت کے خلاف جو بھی حرکت ہو گی اُس کا فائدہ ایم آر ڈی کی جھولی میں جائے گا اور اسی کے مقاصد پورے ہوں گے۔

لے دے کے حل وہی رہ جاتا ہے کہ حکومت اس نعرے کو بے معنی بنا دے جسے لے کر ایم آر ڈی اُٹھی ہے۔

ہم نے پورا تجزیۂ احوال سامنے رکھ دیا ہے۔ اب یہ کام حکومت کا ہے کہ وہ اس تجزیے سے اتفاق کرے یا نہ کرے اور اسے قبول کر کے بحالیٔ جمہوریت کے تیز رفتار پروگرام کو روبعمل لائے یا نہ لائے۔

معاملے کا ایک تیسرا فریق بھی ہے۔ وہ ہیں محبِ اسلام اور خیر خواہِ وطن جماعتیں۔ یہ جماعتیں ۱۹۷۷ء تک قومی اتحاد کے نام سے جمع تھیں اور عوام میں اُن کا بڑا اثر تھا۔ ان کی متحدہ صف سے لوگوں نے بڑی اُمیدیں باندھ لی تھیں۔ پھر بدقسمتی سے ان کے اتحاد کی نوعیت اور اس کی بنیادیں ایسی تھیں کہ اُن کا شیرازہ آہستہ آہستہ بکھر گیا۔

بعد میں بھی پانچ چھ سال سے ان میں کوئی جذبۂ اتحاد کروٹ نہیں لے سکا۔ دین اور وطن کے خلاف جو بیرونی قوتیں اور اندرونی فتنے کام کر رہے تھے اُن کی خطرناکیوں کا اندازہ کر کے بھی یہ جماعتیں اپنے اپنے خول سے باہر نکلنے پر تیار نہ ہو سکیں۔ ایم آر ڈی کے قیام کے موقع پر بھی ان کے لیڈروں میں آنے والے احوال کا اندازہ کرنے اور ان کے سدباب کے لیے اتحاد کی بنا رکھنے کے لیے معیاری بصیرت موجود نہ تھی۔ اب جب پانی سروں سے گذرنے لگا ہے تو اب اتحاد کا آوازہ سُنائی دیا ہے۔ وہ بھی اس شان سے کہ ہم فلاں کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے اور فلاں کے ساتھ اتحاد نہیں ہو سکتا۔ یعنی اصل روح وہی عدم اتحاد یا ذوقِ افتراق کی ہے۔

اس دوران میں کالعدم جماعت اسلامی کا نام لے کر بھی ایک طرف سے اور کبھی دوسری طرف سے کہا گیا کہ ہم اس جماعت کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

جہاں تک راقم کے ذاتی مطالعہ و مشاہدہ کا تعلق ہے، اتحاد کے پچھلے تجربے کا بہت بُرا ردعمل کالعدم جماعتِ اسلامی کے متاثرین میں پایا جاتا ہے۔ ان حلقوں کو صرف اسلام کی اُصولی تعلیم وحدت کی بنا پر اُسی صورت میں کسی اتحاد کے حق میں تیار کیا جا سکتا ہے جب کہ اتحاد کے اُصول و مقاصد درست ہوں اور متعلقہ قوتوں کی طرف سے عالی ظرفی اور انصاف کا یقین کیا جا سکے۔

مگر میاں طفیل محمد صاحب نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں بہت خوبی سے اپنے دائرۂ اثر کا نقطۂ نظر واضح کر دیا ہے کہ فوری طور پر حصولِ اقتدار ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ لہٰذا موصوف کے اس ارشاد کی بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ جن عناصر کو بہت جلدی ہو اور جو ایوانِ اقتدار میں زیادہ سے زیادہ سیٹیں اور زیادہ سے زیادہ وزارتیں اور اختیارات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ

بسم اللہ کر کے آگے بڑھیں، الگ الگ بڑھیں یا اتحاد کر لیں، کالعدم جماعت اسلامی کے متاثرین آپ کے راستے میں حائل نہیں ہوں گے۔ بلکہ ہمارے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات نظامِ مصطفےٰؐ کے خاص تصوّر کا تجربہ پہلے کر لیں ۱؎

ہمارے سامنے کام کا دوسرا ہی نقشہ ہے۔ فی الوقت ہمارا اصل کام دعوت الی اللہ کے ذریعے معاشرے اور افرادِ معاشرہ کی اصلاح ہے۔ جب بھی دعوت و اصلاح کا یہ کام آبادی کے (اندازاً) دسویں حصّے کو بھی اپنے دائرے میں لے لے گا تو وہ انقلاب لازماً رونما ہو جائے گا جس کے تصوّر کا ہر پہلو ہم تحریری طور پر بھی اور تقریروں اور بیانوں میں بھی بار بار واضح کر چکے ہیں۔

بیچ کے زمانے میں ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہم اور ہمارے ہم خیال حضرات قوم اور ملک کی سیاسی سرگرمیوں سے انقطاع کر کے نہ بیٹھ رہیں بلکہ چند مقاصد کو سامنے رکھ کر جمہوری عمل میں پوری طرح حصہ لیں۔ اس سے ہمارے مقاصد یہ ہیں۔

۱۔ ادارۂ سیاست (اور اس کی انتخابی اور پارلیمانی سرگرمیوں) میں اپنے دینی تصورات و اخلاقیات کے ساتھ شرکت کر کے اس کی اصلاح کی سعی جاری رکھیں۔ خواہ اس اصلاح کی رفتار کم ہو یا زیادہ۔

۲۔ انتخابی اور پارلیمانی دائروں میں مسلسل اثر اندازی کے ذریعے دوسروں کے ذہن و کردار اور سیاسی طرزِ فکر میں تبدیلیاں لانا۔

یہ اثر اندازی پارلیمان کے اندر جا کر بھی ہو سکتی، باہر سے بھی ہو سکتی ہے، فتح پا کر بھی ہوتی ہے شکست کھا کر بھی ہوتی ہے، اقتدار کی کرسی سنبھال کر بھی اور اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھ کر ہوتی ہے

۱؎ پورے نظام کی بات تو الگ رہی، آپ میں سے کسی عنصر کے پاس ہیئت سیاسیہ اور انتظامِ معیشت اور زندگی کے دوسرے دائروں کے لیے کوئی ایسا خاکہ ہی نہیں ہے جس پر لٹریچر آ چکا ہو، بحثیں ہو چکی ہوں اور لوگوں کو پورا اطمینان ہو چکا ہو۔ آپ کے سامنے جو "گول مول" تصوّرات ہیں، انہیں ذرا عملی میدان میں ڈال کے دیکھیے کہ کیا مشکلات پیش آتی ہیں اور کیا ردِّ عمل ہوتا ہے۔

اکثریت کے زور ہی سے نہیں اقلیت کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور یہ اثر اندازی بھی دعوتی کام کی مدد ہو کر آخری مطلوبہ انقلاب کی منزل کو قریب لاتی ہے۔

۳۔ انتخابی اور پارلیمانی سیاست میں حصہ لیتے ہوئے اپنے اعتقاد اور اصولوں کے مطابق جو لٹریچر سیاست، انتخابات، ووٹروں کے فرائض، نمائندوں کے اوصاف، دستوری مباحث، کام کرنے کے مشورے کے متعلق شائع کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق تقاریر ہوتی ہیں اور ان چیزوں کے ذریعے قوم کے عوام کی سیاسی تربیت اسلامی تقاضوں کے تحت جاری رہتی ہے۔

پس ہم اپنے اس نقشۂ کار کے مطابق ہر قسم کے حالات میں کام کر سکتے ہیں۔ جن گروہوں کو کسی مقصد کے لئے زیادہ جلدی ہو وہ اپنا کام جلد جلد کر لیں اور ہم سے اندیشہ نہ کریں کہ ہم ان کے اتحاد میں بے جا رخنہ اندازی کریں گے۔ یا ان کے راستے میں روڑے اٹکائیں گے۔

البتہ ان سے ہماری ایک درخواست ہے کہ اگر آپ میں سے دو ایک جماعتوں کا اتحاد ہو سکتا ہو تو ضرور کر لیں اور اس اتحاد کے زور سے اگر آپ ملکی حالات پر اور عوام کے ذہنوں پر مفید اثرات ڈال سکتے ہوں تو ان کو ساتھ لے کر دین و وطن کے خلاف کام کرنے والے نظریات اور تحریکوں کا اور تخریبی عمل سے جمہوریت کا راستہ روکنے والے عناصر کا زور توڑنے کی خدمت انجام دے سکتے ہوں تو لازماً یہ کر کے دکھائیں۔

اصولاً ہم مخالف اتحاد نہیں ہیں مگر شرط یہ ہے کہ بدگوئی اور بدگمانی کے طریقے چھوڑ کر اگر کوئی گروہ ہمیں اسلام کے عروج اور پاکستان کی سالمیت اور جمہوریت کی بحالی اور عوامی حقوق کی ادائیگی کے لئے پکارے گا تو ہم خواہ مخواہ کی منافرت یا ضدم ضدا اپنے اندر نہیں رکھتے۔